Date of Publication: 02-07-2013
PRICE Rs. 2/-
POSTED ON 03-04 August 2013
R.N.I No. 2186/57
POSTAL REGN. NO. DL (C) -01/1195/2012-14
Licensed to Post Without Prepayment U(C)160/2012-14

HAMARI ZABAN (WEEKLY)
ہفت روزہ
ہماری زبان
انجمن ترقی اردو (ہند) نئی دہلی

8-14 August 2013
Issue: 30, Vol.: 72
۸تا۱۴/اگست ۲۰۱۳ء
شمارہ نمبر: ۳۰، جلد نمبر: ۷۲

اردو شاعری کا ارتقائی سفر

ڈاکٹر سید بشیر احمد (فلیٹ نمبر B-1، سکھ منی اپارٹمنٹ، لکڑی کا پل، حیدرآباد-۵۰۰۰۰۴)

عہد ماضی کا انسان اپنے مافی الضمیر کو ظاہر کرنے کے لیے اشاروں کا استعمال کرتا تھا پھر اس نے الفاظ کا سہارا لیا، اس طرح بولی کا ارتقا ہوا۔ جب کسی بولی کا رسم الخط طے ہو جاتا ہے تو وہ تحریر میں آنے کی وجہ سے زبان کہلاتی ہے۔ زبان میں جب ادبی اصناف کا احاطہ کیا جانے لگتا ہے تو وہ ادبی زبان کہلاتی ہے۔ اردو کو ابتدا میں ریختہ کہا جاتا تھا، ریختہ کے معنی گری پڑی چیز کے ہوتے ہیں۔ اس دور میں شمالی ہند کے شعرا فارسی میں شاعری کیا کرتے تھے اور اردو میں شاعری کرنا کسر شان سمجھتے تھے۔ ولی اورنگ آبادی کا سفر دلی مبارک ثابت ہوا۔ لوگوں نے ان کا کلام سنا تو داوں نے سماع کی محفلوں میں ان کا کلام سنایا اور ان کے کلام کو قبولیت عام کا شرف حاصل ہوا۔ اس کے بعد شمالی ہند کے شعرا نے بھی اردو شاعری کی طرف توجہ دی۔ اردو شاعری میں میر تقی میر کو خدائے سخن کہا جاتا ہے، ان کے کلام کی خوبی یہ ہے کہ انھوں نے سلیس زبان میں شاعری کی ہے اور ان کے کلام میں یاسیت اہم عنصر ہے۔ انھوں نے عشق و محبت کی باتوں کو بڑی عمدگی سے اپنے کلام میں سمویا ہے اور یہ ایسی باتیں ہیں جو ہر انسان کی زندگی میں در پیش ہوتی ہیں۔ اس طرح ان کی آپ بیتی میں جگ بیتی نمایاں ہوتی ہے۔ ذیل میں ان کا ایک شعر بطور نمونہ درج کیا جاتا ہے:

دیدنی ہے شکستگی دل کی
کیا عمارت غموں نے ڈھائی ہے

دنیا کی بے ثباتی کے تعلق سے ان کا ذیل میں درج کردہ شعر ملاحظہ فرمائیے:

کہا میں نے کتنا ہے گل کا ثبات
کلی نے یہ سن کر تبسم کیا

اسی عہد کے اہم شاعر اور میر کے ہم عصر جو ادبی دنیا میں محمد رفیع سودا کے نام سے جانے جاتے ہیں، انھوں نے صنف قصیدہ کو بلندی پر پہنچا دیا۔ سودا نے مدحیہ قصائد کے علاوہ ہجویہ قصائد بھی لکھے جو اردو ادب میں قصیدہ گوئی کی عظمت کے مظہر ہیں۔ سودا نے مرثیے کے لیے مسدس کی ہیئت کو تجویز کیا اور آج تک بھی مرثیہ اسی ہیئت میں لکھا جاتا ہے۔

اس عہد کے مشہور شاعر خواجہ میر درد کو متصوفانہ کلام لکھنے میں کمال حاصل تھا۔ ان کے مکان پر ہر ماہ پابندی سے مشاعرے کی محفل سجائی جاتی تھی جسے مراختہ کہا جاتا تھا، جو اردو کو ریختہ کہے جانے کی مناسبت سے مشاعرے کو مراختہ کا نام دیا گیا۔ ان مشاعروں میں بادشاہ وقت بھی شرکت کیا کرتے تھے۔

مرزا اسداللہ خاں غالب کو اس بات کا اعزاز حاصل ہے کہ وہ اردو کے پہلے شاعر ہیں جنھوں نے اردو شاعری کو فکر کی دولت سے نوازا۔ ان کے ہم عصر شاعر مومن خاں مومن کم آمیز اور عاشقانہ مزاج کے حامل تھے۔ وہ عام مشاعروں کے علاوہ درباری مشاعروں میں بھی شاذ و نادر ہی شرکت کیا کرتے تھے۔ درج شدہ شعر سے ان کے مزاج کا اندازہ لگایا جاسکتا ہے:

مومن آیا ہے بزم میں تیری
صحبت آدمی مبارک ہو

دبستان لکھنؤ میں محبوب کی سراپا نگاری اور حسن پرستی کو محور بنا کر شاعری کی جانے لگی۔ اس عہد کا یہ شعر شاعروں کے مزاج کو سمجھنے میں مددگار ہوتا ہے:

رات کا خواب الٰہی توبہ
آپ سنیے گا تو شرمائیے گا

اس عہد کے مصلح قوم سر سید احمد خاں نے اپنے رفقا الطاف حسین حالی، شبلی نعمانی، ڈپٹی نذیر احمد اور محمد حسین آزاد سے نئی شاعری کرنے اور قصیدہ کے مبالغہ سے ہٹ کر شعر کہنے کی فرمائش کی چنانچہ نثر اور جدید غزل کی بنیاد پڑی اور حالی نے قصیدے میں موجود مبالغہ آمیز شاعری کی مخالفت کرتے ہوئے مثنوی کی صنف کو فروغ دینے کا نظریہ پیش کیا جس کے ساتھ ہی شعر گوئی کو مقصد سے وابستہ کرنے پر زور دیا۔ ادب صرف دل بہلائی کے لیے نہیں بلکہ کلام میں مکمل طور پر زندگی کی نمائندگی ہونی چاہیے۔ اس تحریک سے طرحی مشاعروں کے بجائے موضوعاتی مشاعروں کے انعقاد کا عمل سلسلہ شروع ہوا۔ اس سے وقتی طور پر غزل کی شاعری سے زیادہ نظم کو فروغ حاصل ہونے لگا۔

حیدرآباد کو اس بات کا افتخار حاصل ہے کہ حیدرآباد کے شعرا نے سارے اصناف سخن میں شاعری کی ہے۔ قلی قطب شاہ جیسے اردو کے پہلے صاحب دیوان شاعر سے لے کر نظیر اکبرآبادی نے اردو شاعری کو موسمی پھلوں، پھولوں، مقامی تہواروں، میلوں اور کھیلوں سے مربوط کر دیا۔ حیدرآباد میں یہ کارنامہ قلی قطب شاہ نے انجام دیا تو شمالی ہند میں نظیر اکبرآبادی نے مقامی روایات کو اردو شاعری میں اظہار کا ذریعہ بنایا۔

کلام میں چاشنی پیدا کرنے کے لیے طنز و مزاح کو بھی وسیلہ بنایا گیا۔ اس قسم کی کوشش کا سہرا اکبر الٰہ آبادی کے سر جاتا ہے جنھوں نے اردو شاعری کو مزاح کی چاشنی سے نوازتے ہوئے اپنے کلام کو طنز و مزاح سے وابستہ کیا۔ اس تعلق سے ان کا ایک شعر ملاحظہ فرمائیے:

کیا کہوں احباب کیا کار نمایاں کر گئے
بی اے کیا، نوکر ہوئے، پنشن ملی پھر مر گئے

نذیر دہقانی جو حیدرآباد کے ممتاز مزاحیہ شاعر تھے، انھوں نے کہا:

میں تنگ آ گیا ناز اٹھاتے اٹھاتے
جنازہ اٹھانے کو جی چاہتا ہے

حیدرآباد کی طنزیہ اور مزاحیہ شاعری کے عظیم شاعر سلیمان خطیب نے 'یاد' کے موضوع پر بڑی عمدگی سے کہا:

یاد بولے تو دل میں چھپانے کی بات
چپ ذرا سوچ کو مسکرانے کی بات
یاد بولے تو تکیہ میں گجرے کی باس
جیسے کیوڑے کا کانٹا کلیجے کے پاس

خانقاہی شعرا نے بھی رشد و ہدایات کی روشنی پھیلانے کے لیے شاعری کو بطور وسیلہ استعمال کیا۔ ابتدا میں ان حضرات نے مقصد براری کے لیے صنف رباعی کو پسند کیا لیکن بعد میں انھوں نے تقریباً ساری اصناف میں شاعری کی اور ذخیرۂ شاعری میں وقیع اضافہ کیا۔ حضرت امیر خسرو نے آج سے چھ سو برس پہلے اس زمانے کی زبان میں قرب الٰہی کے تعلق سے فرمایا تھا:

بڑی کٹھن ہے ڈگر پنگھٹ کی
میں کیسے بھر لاؤں مدوا سے مٹکی

حضرت خواجہ غریب نواز کی مشہور زمانہ

رباعی ملاحظہ فرمایئے:

شاہ است حسین بادشاہ است حسین
دین است حسین دیں پناہ است حسین
سر داد نہ داد دست در دست یزید
حقا کہ بنائے لا الہ است حسین

رباعی عربی لفظ 'ربع' سے مشتق ہے لیکن عربی میں صنف رباعی پر کوئی کام نہیں ہوا۔ اس صنف کو فارسی اور اردو میں بلندی حاصل ہوئی۔ صنف رباعی کو حضرت امجد حیدرآبادی نے کمال پر پہنچایا، اس لیے ان کو امام رباعی کہا جاتا ہے۔ ذیل میں ان کی مشہور رباعی درج کی جاتی ہے:

ہر چیز مسبب سبب سے مانگو
منت سے خوشامد سے ادب سے مانگو
کیوں غیر کے آگے ہاتھ پھیلاتے ہو
بندے ہو اگر رب کے تو رب سے مانگو

میر انیس کی رباعی ملاحظہ فرمایئے:

طفلی دیکھی شباب دیکھا ہم نے
ہستی کو حباب آب دیکھا ہم نے
جب آنکھ ہوئی بند تو عقدہ یہ کھلا
جو کچھ دیکھا سو خواب دیکھا ہم نے

فراق گورکھپوری کی رباعی ملاحظہ فرمایئے:

کھنچنے میں ہلال کی کمانوں کا ابھار
انداز نشست چڑھتی ندی کا اُتار
رفتار میں مدبھری ہواؤں کی سنک
گفتار میں شبنم کی رسیلی جھنکار

جوش ملیح آبادی جن کو اردو ادب میں شاعر انقلاب، شاعر شباب اور شاعر خمریات کے نام سے یاد کیا جاتا ہے، ان کی رباعی ملاحظہ ہو:

اے عمر رواں کی رات آہستہ گزر
اے نازش کائنات آہستہ گزر
ایک شب بھی جسے نہیں باقی ہے نگاہ
اے قافلۂ حیات آہستہ گزر

فانی بدایونی کی ایک مشہور زمانہ رباعی ملاحظہ ہو:

تخئیل بشر نہیں سلطاں ہوتا
یا صف میں فرشتوں کی نمایاں ہوتا
تکمیل ہے عجز بندگی کا احساس
انسان کی معراج ہے انساں ہوتا

روس کے مفکر کارل مارکس نے اپنا نظریۂ کمیونزم پیش کیا۔ انھوں نے بتایا کہ دنیا میں دو طبقے ہیں، ایک سرمایہ دار اور دوسرا مزدور۔ سرمایے کی غیر مساوی تقسیم سے سرمایہ داری میں اور مزدور کی غربت میں اضافہ ہو رہا ہے۔ سرمایہ دار کو انھوں نے ظالم اور مزدوروں کو انھوں نے مظلوم قرار دیا اور کہا کہ ظالم کی مذمت اور مظلوم کی حمایت کرنا سبھی کا فرض ہے۔ اس زمانے میں سردار جعفری، دین محمد تاثیر لندن میں زیر تعلیم تھے، ان لوگوں نے انجمن ترقی پسند مصنفین اسی مقصد کے تحت قائم کی۔ اس تحریک کو پنڈت جواہر لال نہرو، مولوی عبدالحق اور منشی پریم چند کی تائید حاصل تھی۔ اس تحریک کو بعد میں ترقی پسند تحریک کے نام سے شہرت حاصل ہوئی۔ اس تحریک کی وجہ سے اردو کی سبھی اصناف میں وسیع اضافہ ہوا۔ مجاز نے اس دور میں کہا تھا:

ترے ماتھے پہ یہ آنچل بہت ہی خوب ہے لیکن
تو اس آنچل سے اک پرچم بنا لیتی تو اچھا تھا

نئے تراکیب کا بھی اضافہ ہوا، شعر ملاحظہ ہو:

ختم ہونے کو ہے افسانۂ محرومی دید
اب یہ پردۂ رخ امکاں سے سرک جائے گا

سکندر علی وجد نے کہا:

نغمۂ ساز حیات شور سلاسل میں گم
دہر میں آدم غلام دیکھیے کب تک ہے

میکش حیدرآبادی نے کہا تھا:

زہر غم جس جس کے پینا چاہیے
موت آنے تک تو جینا چاہیے

مخدوم محی الدین کو اردو دنیا شاعر محنت اور محبت کے نام سے یاد کرتی ہے۔ انھوں نے کتنے اچھے انداز میں لفظیات کو شعری سانچے میں ڈھالا ہے، ملاحظہ فرمایئے:

رات بھر دیدۂ نم ناک میں لہراتے رہے
سانس کی طرح سے آپ آتے رہے جاتے رہے

نئی لفظیات، نئے تراکیب کے علاوہ نئے مضامین بھی سامنے آئے لیکن رفتہ رفتہ اس تحریک کے عروج حاصل ہونے کے دوران یہ تحریک صرف نعرہ بازی اور کمیونزم کے پروپیگنڈے تک محدود ہو گئی اور بیسویں صدی میں ہی یہ تقریباً رو بہ زوال ہو گئی۔ اس دور میں قلم کار صرف خارجیت پر لکھتے تھے، داخلیت پر قلم اٹھانا تقریباً ممنوع تھا۔ اس طرح قلم کار کے قلم پر پہرے لگے ہوئے تھے۔ اس تحریک کے بعد قلم کاروں نے وجودیت اور توسیع پسندی کو شاعری میں جگہ دی جس کی وجہ سے جدیدیت اور مابعد جدیدیت کا دور شروع ہوا۔ اس نئے رجحان سے ادب کو فائدہ کم اور نقصان زیادہ ہوا۔ شعرا نے شاعری میں نئے نئے مثبت اور منفی تجربات شروع کر دیے۔ شاعری کی صنف نظم میں ایک خاص نظم ہوتا ہے جسے نئے شاعروں نے نظر انداز کر دیا۔ حضرات نے اس نظم ہی کو ختم کر دیا۔ ایک قدم اور آگے بڑھ کر ان حضرات نے نثری نظم کا تجربہ بھی شروع کیا۔ اس طرح روایت پسند شاعری سے دل چسپی کم ہوتی گئی اور جدید خیالات سے شاعری مانوس ہوئی۔ اب نئی شعری اصناف اور عالمی زبانوں سے بھی استفادہ کرتے ہوئے اردو شاعری اپنی ترقی کے مدارج طے کر رہی ہے۔

○○○

تمل زبان پر اردو کے اور اردو زبان پر تمل کے اثرات

علیم صبا نویدی 192، ٹریپلی کین ہائی روڈ، سکنڈ فلور، فلیٹ نمبر 16، رائس منڈی اسٹریٹ، چینئی-600005

دکن اور جنوب دکن کے موجودہ تمام علاقے عرصۂ دراز سے ایک مشترک تہذیب کا گہوارہ رہے ہیں اور یہ تہذیب کم و بیش دراوڑی تہذیب ہی کی دین ہے۔ چیرا، چولا اور پانڈیا راجاؤں کے دور میں ان تمام علاقوں کے عوام میں ہر اعتبار سے انسیت، محبت اور بھائی چارگی اور تجارتی تعلقات اس قدر رسوخ اور مضبوط تھے کہ زمانے کے انقلابات کے باوجود ان کی زبانوں مثلاً تیلگو، کنڑ، ملیالم اور تمل زبانوں میں مماثلت اور شناخت کے نقوش روشن اور بہت گہرے ہیں۔ ان چاروں زبانوں میں سینکڑوں الفاظ مشترک اور مماثل ہیں۔ عربوں کی آمد کے فوراً بعد ایک پانچویں زبان یعنی دکھنی اردو کا میل اتنا بڑھا کہ یہاں کے باشندوں نے ان کی بول چال کے الفاظ کو بھی قبول کرنے میں کسی طرح کی ہچکچاہٹ یا بغض و عناد کو جگہ نہیں دی۔ دکھنی زبان کے فروغ میں بھی ان زبانوں کا اثر رہا ہے کیوں کہ ان زبانوں پر دکھنی بھی اثر انداز ہونے لگی۔ تمل زبان پر دکھنی (اردو) کا اثر بہ نسبت دیگر زبانوں کے کچھ زیادہ ہی رہا، کیوں کہ یہاں کے مسلمانوں کی تجارت اتنے فروغ پر تھی کہ تمل بولنے والوں کا تعلق بھی مسلمانوں کی منڈیوں اور تجارت گاہوں کے ساتھ گہرا ہونے لگا۔ آپس کے تعلقات ہی زبانوں پر اثر انداز ہوتے ہیں۔ گویا ہندوؤں (تمل بولنے والے) اور مسلمانوں میں کسی دور میں بھی کسی طرح کا بغض و عناد پیدا نہیں ہوا۔ راجاؤں کے درباروں میں جہاں مسلمان افسران ہوا کرتے تھے اسی طرح سلطانوں اور نوابوں کے درباروں میں تمل بولنے والے ہندو افسران کی بھی بھرمار تھی۔ پورا معاشرہ ایک دھاگے میں بندھا تھا۔ ایسی صورت میں اس بات سے کوئی انکار کر ہی نہیں سکتا کہ دکھنی اردو کے اثرات تمل زبان پر نہ ہوئے ہوں۔ بازاروں میں، خانقاہوں میں کورٹ کچہریوں میں، مدرسوں میں، تہواروں میں، غم و خوشی کی محفلوں میں، غرض زندگی کے ہر شعبے میں ہندو اور مسلمان باہم برسرکار ہوا کرتے تھے۔ آج بھی جب کہ قدیم دور کی بہت ساری خوبیاں مفقود ہیں اور برابر تمل زبان پر اثر ڈال رہی ہیں اور تمل زبان والے ہر اچھے بُرے لفظ کو مستعار لیتے اور اپنی بول چال کی زبان میں برتنے میں کسی طرح کی روک ٹوک نہیں لگا رہے ہیں۔ ایک اچھے معاشرے کی ساخت و پرداخت میں واقعی زبانوں کا بڑا اثر ہوتا ہے۔ یہ کسی ادارے یا انجمن سے زیادہ سود مند طریقہ ہے۔ اس بات کو محسوس کر لیں تو زبانوں کا تفرق ختم کیا جا سکتا ہے اور آپس میں خوش اتحاد قائم کیا جا سکتا ہے۔ (یہاں یہ کہتے ہوئے مسرت ہوتی ہے کہ دکھنی [اردو] جیسی زبان تمل جیسی ایک قدیم ترین زبان پر اثر ڈالنے کے قابل ہوئی ہے۔)

دونوں زبانوں کے اثرات کی کشادگی اور پھیلاؤ میں سب سے زیادہ اہم رول عدلیہ اور شعبۂ مالیات نے ادا کیے ہیں جو الفاظ آج سے دو سو سال پہلے مستعمل تھے وہ آج بھی من و عن موجود ہیں۔ اگر ہم والا جاہی دور کا جائزہ لیں تو ہمیں اُس دور کے عدلیہ اور شعبۂ مالیات میں برتے گئے لفظیات کا ایک ذخیرہ مل جائے گا۔

اب چلیے ہم دیکھیں کہ کس کس انداز سے دکھنی (اردو) تمل پر اثر انداز ہوئی ہے۔ نمونتاً الفاظ کی ایک مختصری فہرست سے کام لیا جا رہا ہے تاکہ مضمون کی طوالت پر قابو رکھا جا سکے۔

یہاں یہ اشارہ کر دینا ضروری ہے کہ دکھنی اردو جتنی پراکرت سے متاثر ہوئی ہے، اُس سے کہیں زیادہ وہ عربی اور فارسی زبانوں سے بھی مستفیض ہوئی ہے۔ ذیل کی فہرست میں کہیں کہیں یہ اشارہ بھی کر دیا گیا ہے کہ لفظ کا 'ماخذ' کیا ہے؟ مثلاً اگر لفظ عربی ہے تو قوسین میں (ع) لکھ دیا ہے، ورنہ یہ سمجھا جائے کہ وہ لفظ یا تو ہندی (پراکرتی اثر کے تعلق سے) ہوگا یا پھر فارسی زبان سے مستعار ہوگا، مثلاً ماضی (ع) جسے تمل زبان والوں نے 'ماجی' قبول کیا، اسی طرح لفظ جاگیردار فارسی سے مستعار ہے، اس لیے قوسین میں کچھ بھی نہیں دیا گیا۔ لفظ 'اتنا' ہندی ہے اس لیے 'اتنا' کے بعد بھی قوسین میں کچھ نہیں دیا گیا۔ ذیل کی فہرست میں اسی لازمے کو گوارا فرمائیں:

تمل الفاظ جو ذرا سی ترمیم سے یا ہو بہو دکنی میں بولے جاتے ہیں:

تمل الفاظ	دکنی میں بولے جانے والے
لکشمی = دولت کی دیوی	لکشمی
کنا (Kanna) بچے کے لیے	کنا
چترم = مسافر خانہ	چھتر
پوکڑی = لنگا	پوکری
مکال = بے وقوف	مٹقال
اتاوری = جلدی	اتاوری
ونیالم = ناتواں = بیکار	دیالم
چالی = مشکل بہتر	چلی
اٹلی اسامیاں، دست، پوری = نشانی اشیا	ہوں کا توں استعمال میں ہیں
سومبری = اونگھنے والا	سوماری
کلپڈم (Kalappadam) دوات	کلپڈم (Kalpadam)
تٹائی (Tajtai)	تٹا یعنی رکابی
کٹائی (Katai)	کٹائی یعنی لکڑی یا کھمبا = فرشہ
پوٹائی (Pohai)	پوٹا لڑکا
کاوڑ منگل	گانٹ
اگروپڈی	اگرپڈی
ائی یو الف کے لیے	ائی یو
سرامرانی average	سراسری
پرمپوک (لاوارث)	پرمپوک غیر رجسٹر شدہ زمین
سکاری	شکاری
جندگی	زندگی
گوجا	گوزہ
کل کند	گل قند
ٹوپی	ٹوپی
کست	قسط (ع)
بے مانی	بے ایمانی
مجا	مزہ
پکیر	فقیر
پرنگی	فرنگی
پریاد	فریاد
جامن	ضامن
تاجا	تازہ
دگا	دغا
نکل باجی	نقل بازی
ساہب	صاحب
روج گار	روزگار
تراسو	ترازو
تاروگا	داروغہ
مجبوت	مضبوط
برکا	برقعہ
جمانت	ضمانت
تبا	قبا
دپتر	دفتر
مسیدی	مسجد
کمیس	قمیص
کسکا	خشکہ
مالی	مالا، پھول کا ہار
منکابلہ	مقابلہ

جوں کا توں تمل زبان میں بولے اور لکھے جانے والے دکنی (اردو) الفاظ: تحصیل دار، سامان، کوڑی، اٹیشن، مزدور، وکالت، دفعدار، ناظر، تماشا، جلسہ، لنگر، پرواہ، نامہ، پارہ پروانہ، مجیب، دیوان، دربار، تیار، دیوان، درگاہ، چک بندی، پی پی، طرف دار، مہر، مچھ، خیمہ، سوال، کرتہ، گلاب جامن، دیہاتی، مسالہ، الٹ پلٹ، آلت، حرام، حلال، جلدی، فاتحہ، میدان، چنڈال، فیصلہ نامہ، حاضر، جمع بندی، وکیل وغیرہ

ذیل کے حروف کا تلفظ مذکورہ بالا فہرست میں ملاحظہ کیجیے:

۱- چھ کے تلفظ کے لیے تمل میں 'چ' ہے۔ تمل میں 'چ' نہیں ہے چپاک بھی سپاکم لکھا جاتا ہے۔

۲- ص، ظ، ذ، ز کے تلفظ کے لیے تمل میں 'ج' ہے۔

۳- ش، ص، ث کے تلفظ کے لیے تمل میں 'س' ہے۔

۴- ف، پ کے تلفظ کے لیے تمل میں 'پ' ہے۔

۵- خ، ق، گ، غ کے تلفظ کے لیے تمل میں 'ک' ہے۔

۶- ٹ کے تلفظ کے لیے تمل میں "L" کا تلفظ موجود ہے۔

مثلاً "چھ باغ" کو تمل میں ہو بہو ادا کرنا ناممکن ہے، کیوں کہ 'چھ' کا تمل میں مترادف تلفظ نہ ہی ممکن ہے جس کی اوپر وضاحت کی گئی ہے۔ 'ب' کے لیے 'پ' اور 'غ' کے لیے 'ک' استعمال ہوتا ہے۔ چناں چہ 'چھ باغ' تمل میں 'سیپاک' ہی کہا جا سکتا ہے۔ والا جاہی دور میں شہر مدراس کے دل میں ساحل مدراس پر ایک اصل نام کو لوگ بھول چکے ہیں شاید اس حقیقت کا بہتوں کو علم بھی نہیں ہے۔ اسی طرح ویلور کے ایک مشہور علاقہ 'باغ عالم' کو 'باکام'، 'حوض باغ' کو 'کوڈم پاکم' اور انوارالدین خاں پیٹ کے مضافات کی ایک بستی مرد عالم (جہاں نوابین آرکاٹ کے دور کے ایک مشہور صوفی بزرگ کا مزار مبارک موجود ہے) کو مردالم (Mirdhalam) میں تبدیل کر دیا گیا ہے۔

اسی طرح ترو چیراپلی (ترچنا پلی بھی دراصل 'ترو سیر اپلی' کی ایک بگڑی شکل ہے۔ ترو بمعنی مقدس، سیرت بمعنی سیرت النبیؐ، پلی بمعنی درس گاہ) تمل بولنے والے لبابین مسلمانوں نے عرب طور (تمل زبان کے مشہور شاعر) کے دور میں اس بستی کی بنیاد رکھی تھی جہاں روزانہ سیرت النبیؐ کے اجلاس ہوا کرتے تھے۔ اس سے پیشتر اس بستی کو حضرت طبل عالم باشا المعروف بہ نطہر ولی کے مبارک قدم نے لیا تھا، جس کا ایک تاریخی نام نطہر نگر بھی ہے۔ یہ پورا علاقہ ہمیشہ علما، صوفیا اور مشائخ کا آماج گاہ رہا ہے۔ آج تمل والے ترچناپلی کی وجہ تسمیہ کچھ اور ہی بتاتے ہیں جو قابل قبول نہیں ہے۔

بعض قدیم عربی الفاظ، املا اور تلفظ کے بار بار رد و بدل سے کئی زبانوں سے ہوتے ہوئے اردو میں آ کر تمل زبان میں اپنا مقام بنا چکے ہیں، مثلاً: 'راس' (عربی، بمعنی 'سر' Head) سے 'رئیس' بنا اور رئیس سے اردو میں آ کر تمل زبان پر اثر انداز ہوا اور 'رو' 'راسا' کی شکل اختیار کر گیا، جس کے معنی بھی 'سر' ہی کے تھے مگر یہ بعد میں 'سردار' کے لیے استعمال ہونے لگا اور 'سردار' دراصل تلئے ون (Talaivan) 'سردار' کے تصور میں ہی تھا اور یہی 'راسا' آج 'راجا' بھی کہلانے لگا ہے۔ تمل زبان میں 'ج' بہت کم استعمال ہوتا ہے اور آج بھی 'راجا' کو 'راسا' ہی پڑھا جاتا ہے۔

فرانسیسی زبان میں عیسائیوں کے گرجا کو 'کرک' (Kirk) کہا جاتا ہے اور یہی انگریزی زبان میں 'چرچ' (Church) بن گیا مگر کرک براہ راست فارسی زبان میں اثر انداز ہوا اور فارسی نے اس لفظ کا 'چرخ' لیا جو بمعنی 'آسمان' کے ہے۔ گنبد علامت عبادت گاہ ہے اور نصف آسمان گنبد ہی کی شکل رکھتا ہے۔ اس لیے چرخ آسمان کے لیے بھی استعمال ہونے لگا اور آسمان اللہ کے وجود کی نشان دہی کرتا ہے۔ 'چرخ' سے فارسی والوں نے 'خرقہ' کا لفظ ڈھالا جو عیسائی پیشواؤں کا لباس ہے۔ 'خرقہ' دیگر زبانوں میں داخل ہو کر چغہ بنا اور چغہ دکنی میں بہت زیادہ مستعمل ہوا ہے۔ دکنی سے تمل والوں نے استفادہ کرتے ہوئے 'چغہ' کو چوکائی (Chokkai) بنا لیا جس کے معنی قمیص کے ہیں۔

ذیل میں بعض الفاظ یا محاورات دیے جاتے ہیں جن کا تعلق کسی مخصوص طبقے کے لوگوں سے نہیں بلکہ معاشرے کے ہر اعلا اور ادنا یا خواص و عوام کے روزمرہ زندگی میں مستعمل ہیں۔ بعض محاورات عرصہ دراز سے اپنی اصلی شکل میں آج بھی دکنی زبان بولنے والوں میں کثرت سے سنے جاتے ہیں۔

تمل لفظ یا محاورہ جو دکنی میں بولے جاتے ہیں:	تمل استعمال
تنی پندل کا گھر	تنی بمعنی پانی، پندل بمعنی شامیانہ، موسم گرما میں چوراہوں پر شامیانہ ایستادہ کیے جاتے ہیں اور ان شامیانوں میں راہ گیروں کی پیاس پانی سے بجھائی جاتی ہے مگر یہ محاورہ اردو والوں میں 'میر کی چھت' کے مترادف ہے، یعنی آسمان ایک گھنٹہ برسے تو چھت تین گھنٹے برستی ہے۔
وتی کٹے بمعنی لکڑی کا بنڈل	بغیر شادی شدہ، بے فکرا، اکیلا شخص
غلاٹا کرنا	شور و غل کرنا، فساد، مار پیٹ، گڑبڑ
تلانے میں آنا صحیح لفظ تلمان ہے جو بگڑ کر تلانا ہو گیا ہے	سکرات کے عالم میں رہنا، مصیبت میں پھنسنا
منگاوری پیسہ اڑانا	بے تحاشا روپیہ خرچ کرنا
راماین سنانا	بات کو طول دینا، جھوٹ بولنا
ناگل وائی میں آنا	مشکل میں پھنس جانا
روتی سوجی کا	روتی صورت لڑکا، ہمیشہ رونے والا لڑکا
ناسم ہو جانا	برباد ہو جانا
پرواوالائی (Parvaillai)	کوئی بات نہیں
مٹال آیا	بے وقوف آیا
گنجو گنجل کام	الجھا ہوا، پیچیدہ کام، مشکل کام، تکلیف دینے والا کام
اناوسم (Anavisham)	بے کار، بے ہودہ
اوری کرنا	جلدی کرنا
کل پزم چیزیں	ملاوٹ والی چیزیں

غرض تمل ناڈو میں اردو، تمل ایک مخلوط زبان کی حیثیت سے عوام کے رابطے کا ذریعہ بنی ہے۔ ہمارے سیاسی لیڈروں کی بگاڑ نہ ہو تو شاید یہ رابطہ ایک خوشگوار، پر امن اور پر سکون ماحول پیدا کرنے میں پوری طرح کامیاب رہے گا۔

000

اردو دُنیا

دہلی یونیورسٹی کے بڑے کالجوں میں شعبۂ اردو کا قیام ہو

خالصہ، مرنڈا ہاؤس، لیڈی شری رام اور ہندو کالجوں میں بھی اردو ڈپارٹمنٹ قائم کرنے کا مطالبہ

نئی دہلی (۱۳ر جولائی)۔ دہلی یونیورسٹی اور اس سے ملحق تمام کالجوں میں اردو پڑھائے جانے کا مطالبہ کیا گیا ہے۔ اردو والوں کا کہنا ہے کہ پہلے دہلی یونیورسٹی کے تقریباً تمام بڑے اور نامور کالجوں میں اردو پڑھائی جاتی تھی مگر اردو مخالفت اور خود اردو والوں کی تساہلی اور لاپرواہی کے سبب آہستہ آہستہ ان کالجوں سے اردو پڑھانے کا سلسلہ ختم ہو گیا اور ان کالجوں میں شعبۂ اردو بند ہو گیا۔ ذرائع کے مطابق پہلے خالصہ کالج، مرنڈا ہاؤس کالج، لیڈی شری رام کالج، ہندو کالج و دیگر کالجوں میں اردو پڑھائے جانے کا باقاعدہ نظم تھا اور اردو پڑھنے والوں کی اچھی خاصی تعداد ان کالجوں میں داخلہ لیتی تھی۔ ڈاکٹر صغیر افراہیم نے مانگ کی کہ ڈی یو کے نئے چار سالہ گریجویشن کورس کے تحت مذکورہ کالجوں میں اردو کے شعبے پھر سے کھولنے کی کوشش کی جائے اور کالجوں میں اردو پڑھانے کا انتظام کیا جائے۔ ڈاکٹر سید شبیر علی جعفری نے کہا کہ دہلی یونیورسٹی میں علاقائی زبانوں کو ختم کرنے کی ہمیشہ سے ہی کوششیں ہوتی رہی ہیں اور خاص طور سے اردو کو کسی خاص فرقے یا طبقے کی زبان سمجھ کر اس کے ساتھ ہر اعتبار سے زیادتی کی جاتی رہی ہے جب کہ اردو ہندستان کے ہر طبقے و فرقے کے ساتھ ساتھ ہر فرد کی زبان ہے اور ملک کی گنگا جمنی تہذیب کی علامت ہے۔ آج اردو صرف قومی ہی نہیں بلکہ بین الاقوامی زبان بن گئی ہے اس لیے اسے صرف کروڑی مل کالج، ذاکر حسین دہلی کالج، ستیہ وتی کالج، جیسس اینڈ میری کالج یا ماتا سندری کالج تک محدود نہیں رکھا جا سکتا بلکہ خالصہ کالج، مرنڈا ہاؤس کالج، لیڈی شری رام کالج و ہندو کالج میں پھر سے اسے پڑھانے کا نظم کیا جانا چاہیے اور مزید کالجوں میں شعبۂ اردو کھولنے کی کوششیں کرنی چاہئیں۔ انھوں نے اس بات پر افسوس کا اظہار کیا کہ اس سال ڈی یو میں نئے نظام تعلیم کے رائج ہونے پر کچھ اردو مخالف اساتذہ نے انتظامیہ سے مل کر علاقائی زبانوں کے طلبہ و طالبات کو دی جانے والی رعایت بند کرانے میں کامیابی حاصل کر لی جس سے ڈی یو میں ان زبانوں کا مستقبل خطرے میں پڑ گیا ہے اور اس کے ساتھ ہی اساتذہ کی ملازمتیں بھی خطرے میں پڑتی نظر آ رہی ہیں۔ تاریخی فصیل بند شہر اور کھلاء حضرت نظام الدین اور شمال مشرقی دہلی میں رہنے والے لاکھوں اردو والے اس سلسلے میں تشویش میں مبتلا ہو گئے ہیں اور ناراضگی کا اظہار کر رہے ہیں۔ لوگوں نے مرکزی حکومت، دہلی سرکار، لیفٹیننٹ گورنر، وزیر اعظم اور دہلی کی وزیر اعلا سے مطالبہ کیا ہے کہ وہ ڈی یو کے زیادہ سے زیادہ کالجوں میں اردو پڑھانے کا سلسلہ شروع کرانے کے لیے مداخلت کریں اور ان تمام کالجوں میں جہاں کبھی نہ کبھی پہلے اردو پڑھائی جاتی تھی پھر سے اردو کے شعبے کھولنے کے اقدام کریں۔

(راشٹریہ سہارا۔ دہلی)

122 سالہ گاروڈیہ مل ہائی اسکول کو سائنس اور آرٹس کی منظوری

اردو، ہندی اور بنگلہ میڈیم کے ساتھ ضلع کی ہی نہیں بلکہ ریاستی سطح پر قومی یکجہتی کی عمدہ مثال

شمالی چوبیس پرگنہ (۲۰ر جولائی)۔ ۱۸۹۱ سے قائم 122 سالہ گاروڈیہ مل ہائی اسکول جو گاروڈیا بنگلہ (سہ لسانی) تینوں زبانوں یعنی اردو، ہندی اور بنگلہ میڈیم سے آرٹس اور سائنس کی منظوری ہے۔ یہ معلومات مذکورہ اسکول کے ٹیچر ممتاز احمد نے دیں۔ انھوں نے دوران گفتگو کہا کہ کئی بار اپلیکیشن ہوا مگر کونسل اردو اور ہندی میڈیم کو ہی منظوری دینا چاہتی تھی لیکن ہم لوگوں کا مطالبہ تھا کہ سہ لسانی طلبہ کو یہاں تعلیم دی جاتی ہے اس لیے اسے سہ لسانی زبانوں پر ہی ایچ ایس کی منظوری ملنی چاہیے۔ اس جدوجہد کا ثمرہ سامنے ہے۔ انھوں نے مزید بتایا کہ فی الحال ہمارے یہاں داخلہ شروع ہے، چوں کہ یہ منظوری صرف لڑکوں کے لیے ہے۔ اس لیے خواہش مند طلبہ اسکول کے اوقات میں رجوع کر سکتے ہیں۔ ٹیچروں کی کمی کے باوجود اسکول انتظامیہ نے نئی ذمہ داری قبول کی ہے، اس لیے تینوں زبانوں کو منظوری کا پروانہ کونسل کی جانب سے دیا گیا۔ اس کامیابی سے صرف مضافات اور اضلاع ہی نہیں بلکہ ریاست گیر سطح پر یہ ایک منفرد 122 سالہ درسگاہ واقع ہوئی ہے جو اپنی نوعیت کے لحاظ سے قومی یکجہتی کی عمدہ مثال ہے جسے تینوں میڈیم کے طلبہ کے لیے بارہویں کی منظوری ملی ہے۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

حکومت اردو کے ساتھ سوتیلا سلوک ختم کرے

حیدرآباد (۱۳ر جولائی)۔ اسمال پرنٹ میڈیا ایسوسی ایشن کی سالانہ تقریب اعظم کنونشن ہال اعظم پورہ میں منعقد ہوئی۔ تقریب کو خطاب کرتے ہوئے عابد رسول خاں (صدر اقلیتی کمیشن اے پی) نے کہا کہ ماضی میں وہ خود صحافت سے وابستہ رہے ہیں اور اخبار کے اڈیٹر رہ چکے ہیں، اس طرح انھیں اچھی طرح ماضی کے وہ مصائب یاد ہیں جن مسائل کے ساتھ وہ اخبار نکالتے تھے۔ انھیں اردو کے چھوٹے اخبارات کی تمام پریشانیوں کا احساس ہے اور وہ شخصی طور پر چیف منسٹر کو چھوٹے اخبارات کے مسائل پر بہت جلد یادداشت پیش کریں گے اور ان سے جو بھی مدد ہو سکتی ہے وہ کرنے کو تیار ہیں۔ ایس اے شکور (ڈائرکٹر سکریٹری آندھرا پردیش اردو اکیڈمی) نے اپنے خطاب میں کہا کہ اردو اکیڈمی اردو کے چھوٹے اخبارات کی مدد کی پابند ہے اور جب سے انھوں نے یہ عہدہ سنبھالا ہے اردو کے چھوٹے اخبارات کا انھوں نے خصوصی خیال رکھا ہے۔ ماضی میں چھوٹے اخبارات کو سالانہ 2000 مالی امداد دی جاتی تھی، میں نے سالانہ مالی امداد کی رقم کو دوگنا کر دیا، وہ چھوٹے اخبارات کو اشتہارات کی اجرائی پر بھی غور کر رہے ہیں۔ مدھیہ پردیش کے سابق منسٹر ابراہیم قریشی نے بھی اس جلسے کو مخاطب کیا اور یہاں کے اردو اخبارات کی انھوں نے ستائش کی۔ صدر فیڈریشن سید عبدالصمد اور نائب صدر محمد اسماعیل واجد نے بھی اس جلسے کو مخاطب کیا۔

(منصف۔ حیدرآباد)

ممتاز مزاح نگار مجتبیٰ حسین پر تحقیقی کام کے لیے سیدہ شائستہ مقیم کو ڈاکٹریٹ کی ڈگری

اورنگ آباد (۱۰ر جولائی)۔ بابا صاحب امبیڈکر یونیورسٹی اورنگ آباد نے ''دکن میں طنز و مزاح کی روایت اور مجتبیٰ حسین کی خدمات'' کے موضوع پر پچھلے سال سیدہ شائستہ مقیم کو پی ایچ ڈی کی ڈگری عطا کی تھی۔ اب یہ ضخیم مقالہ کتابی صورت میں شائع ہو گیا ہے جس کے اجرا کے سلسلے میں پچھلے ہفتے مولانا آزاد ریسرچ سینٹر اورنگ آباد میں طنز و مزاح کے موضوع پر ایک سہ روزہ سیمینار منعقد کیا گیا۔ محترمہ فوزیہ خاں (وزیر مملکت حکومت مہاراشٹر) نے سیمینار کے افتتاح کے علاوہ اس کتاب کی رسم اجرا انجام دیتے ہوئے اس توقع کا اظہار کیا کہ اس کتاب کی اشاعت سے مجتبیٰ حسین جیسے بلند پایہ ادیب کی شخصیت اور فن کو سمجھنے میں مدد ملے گی۔ مسٹر راجیش ٹوپے (وزیر برائے اعلا تعلیم مہاراشٹر) نے بھی تقریب کو مخاطب کیا۔ ڈاکٹر عتیق اللہ (دہلی) نے کلیدی خطبہ پڑھا۔ واضح ہو کہ مجتبیٰ حسین پر تحقیقی کام کے سلسلے میں اب تک چھ ریسرچ اسکالروں کو ملک کی مختلف یونیورسٹیوں کی جانب سے ڈاکٹریٹ کی ڈگریاں دی جا چکی ہیں۔

اردو اسکولوں میں اساتذہ کی کمی

حکومت کی اردو نوازی پر سوالیہ نشان

سیتامڑھی (۱۴ر جولائی)۔ کہیں اسکول کی عمارتیں خستہ حالی کا شکار تو کہیں مڈڈے میل کے مسائل۔ لیکن دلچسپ بات یہ ہے کہ اگر ایک اسکول میں 150 طلبہ ہوں اور ٹیچر صرف ایک، یہ معاملہ ہے پوپری بلاک کے تحت نیا گاؤں پنچایت کے گاؤں بیتا ہہ بیشی میں چل رہے پرائمری اسکول بیتا ہہ بیشی اردو کا۔ اس گاؤں میں برسوں سے پرائمری اسکول چل رہا ہے لیکن پہلے تو اس کی عمارت نہیں تھی، اب مسئلہ ہے اس میں زیر تعلیم طلبہ کا۔ پرائمری اسکول بیتا ہہ بیشی اردو میں فی الوقت 150 طلبہ زیر تعلیم ہیں اور ٹیچر صرف ایک ہی ہے۔ انتظامیہ کی بے توجہی سے زیر تعلیم طلبہ کے مستقبل کو لے کر بہت سارے سوالات پیدا ہوتے ہیں۔ کثیر طلبہ پر مشتمل اسکول میں ۲۰۰۷ سے صرف ایک ہی معلم ہیں اور انہی کی محنت شاقہ پر مشتمل ہے ان طلبہ کا مستقبل۔ محمد اکبر ہاشمی اسکول ٹیچر کے مطابق ۲۰۰۷ سے لگاتار میں بچوں کو تنہا ہی تعلیم دیتا ہوں لیکن مشکل امر یہ ہے کہ ایک معلم تعلیمی اوقات میں طلبہ کی اتنی کثیر تعداد کو کما حقہ کیسے تعلیم دے سکتا ہے۔ اس سلسلے میں شکشا کمیٹی صدر عبدالبارک کے علاوہ محمد مشتاق، محمد عالم، تاج الدین اصغری اور امیر الحسن کے علاوہ دوسروں نے بھی بارہا بلاک ایجوکیشن افسر سے رابطہ کر کے اساتذہ کی تعداد بڑھانے کے لیے درخواست کی لیکن ہمیشہ نتیجہ صفر ہی رہا۔ جب بھی معلم بڑھانے کی بات کی گئی تو بی ای او پشپا سنہا نے صرف یہ کہہ کر ٹال دیا کہ جب اساتذہ ہوں گے تو خود بخود آپ کے اسکول کو فراہم کرا دیا جائے گا۔ لیکن محترمہ پشپا سنہا نے اسکول میں زیر تعلیم طلبہ کے مستقبل کے بارے میں کبھی نہیں سوچا اگر انھوں نے اس طرف کبھی توجہ دیا ہوتا تو شاید بیتا ہہ بیشی کے طلبہ کا مستقبل صرف ایک ٹیچر کے سہارے داؤ پر نہیں لگا ہوتا۔ اس میں ایک بات قابل غور یہ بھی ہے کہ یہ اردو پرائمری اسکول ہے اور اردو کے تئیں انتظامیہ کا سوتیلا پن کوئی نئی بات نہیں۔ اسی طرح کی روداد ہے اسری بیشی میں واقع مڈل اسکول کا۔ وہاں تو قریب 250 طلبہ کا مستقبل صرف ایک معلم کے سہارے ہی ہے۔ (انقلاب۔ دہلی)

کسان ڈگری کالج کے علاوہ کسی بھی ادارے میں اردو کی اعلا تعلیم کا نظم نہیں

بیلی بھیت (۵ر جولائی)۔ نیا تعلیمی سال ۱۴-۲۰۱۳ یکم جولائی سے شروع ہو چکا ہے۔ مختلف درجات کے تعلیمی اداروں میں داخلے کا عمل زور و شور سے جاری ہے مگر اس سب کے درمیان اردو زبان کی اعلا تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کے سامنے پس و پیش کی صورت حال قائم ہے۔ ویسے تو ضلع کے مختلف مقامات پر ایک درجن سے زائد ڈگری تعلیمی ادارے ہیں مگر پورنپور واقع کسان ڈگری کالج کے علاوہ کسی بھی

(بقیہ صفحہ ۷ پر)

سرکاری دفاتر سے اردو میں خط و کتابت شروع کردیں

ریاستی وزیر فرہاد حکیم کا اردو داں طبقے کو مشورہ

کلکتہ (۱۳؍جون)۔ ریاستی حکومت نے آج دعویٰ کیا کہ اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے بعد اسے سرکاری دفاتر میں استعمال کرنے کے لیے ضروری احکامات جاری کر دیے گئے ہیں۔ ریاستی وزیر فرہاد حکیم نے بتایا کہ اردو داں طبقہ اب بڑے پیمانے پر سرکاری دفاتر کے ساتھ اردو میں خط و کتابت کرے تاکہ ان پر دباؤ بڑھے اور انھیں نپٹانے کے لیے اردو والوں کو تقرر کیا جائے۔ ان کا موقف تھا کہ اردو والوں کو اب آگے کا کام کرنا ہوگا، جہاں اردو کے لیے جیسی ضرورت پڑے گی حکومت اس کے مطابق اقدام کرے گی۔ ترنمول حکومت کی دو سالہ کارکردگی بیان کرتے ہوئے ریاستی وزیر فرہاد حکیم نے کہا کہ ہمارے مخالفین سی پی ایم، کانگریس اور بی جے پی کی ملی بھگت کی وجہ سے 34 سال تک بنگال کے اردو دوست افراد کے مطالبے کو مارکسی لیڈران نے انتخاب در انتخاب صرف یقین دہانی تک ہی رکھا، لیکن ریاست کے اقتدار پر ترنمول کا قبضہ ہونے کے بعد وزیر اعلا ممتا بنرجی نے جو وعدہ اردو بولنے والے عوام سے کیا تھا کہ ہم اردو بولنے والوں کا حق دیں گے، اسے دو سال قلیل مدت کے دوران قانونی شکل دے کر نافذ کر دیا۔ وزیر موصوف نے مزید کہا کہ اردو کو سرکاری درجہ مل گیا ہے اب اس زبان سے محبت کرنے والوں کو اس کے حقوق بچانا ہے۔ اردو بولنے والوں کو چاہیے کہ سرکاری دفاتر میں اردو میں زیادہ سے زیادہ عرض داشت جمع کریں۔ اس سے اردو والوں کے لیے سرکاری نوکری حاصل کرنے کی راہ ہموار ہوگی۔ یہ باتیں آج ہگی سڑک موڑ پر منعقد جلسے سے خطاب کرتے ہوئے ریاستی وزیر شہری ترقیات فرہاد حکیم بابی نے کہیں۔ (اخبار مشرق۔ کلکتہ)

6 مہینے بعد بھی نصاب کے مطابق اردو میں کتابیں دستیاب نہیں

آسنسول سب ڈویژن میں 150 اسکولوں کے آٹھویں کے دس ہزار طلبہ کے لیے انگریزی کتاب بھی نہیں

آسنسول۔ امسال مئی ۲۰۱۳ سے ریاستی حکومت نے تعلیمی سیشن کو جنوری سے کر دیا ہے یعنی 6 ماہ مکمل ہونے جا رہے ہیں لیکن المیہ یہ ہے کہ پوری ریاست میں ہنوز اردو والے طلبہ کے لیے نصاب کی کتابیں فراہم نہیں کرائی گئی ہیں۔ ریاست کے اردو والوں نے بڑی امیدوں کے ساتھ ریاستی بایاں محاذ کو اکھاڑ پھینکنے میں اہم کردار ادا کیا تھا لیکن اردو کے معاملے میں اور اردو والوں کے معاملے میں سابقہ بایاں محاذ حکومت کا جو رویہ تھا وہی رویہ موجودہ حکومت کا بھی ہے۔ فرق صرف اتنا ہے کہ بایاں محاذ حکومت کھل کر اردو دشمنی کر رہی تھی جس کا خمیازہ اس حکومت کو ملا اور موجودہ حکومت حیلے سے اردو دشمنی کر رہی ہے جس سے عام لوگوں پر یہ عیاں نہ ہو کہ یہ بھی وہی کر رہی ہے۔ ریاست میں اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کا نہ صرف اعلان کیا گیا ہے بلکہ باضابطہ اسمبلی میں بل پاس کر دیا گیا ہے لیکن ریاست کے اردو میڈیم اسکولوں میں نئے نصاب کے تحت درجہ اول تا دہم کتابیں فراہم نہیں کرائی گئی ہیں جب کہ نئے نصاب کے متعلق اساتذہ کو ٹریننگ دی گئی ہے۔ اب ایک عام ذہن اور سمجھ رکھنے والا شخص خود ہی تجزیہ کرے کہ اس حکومت میں اردو کے ساتھ کیا ہو رہا ہے۔ تعلیمی سال کا 6 ماہ مکمل ہونے والا ہے لیکن نصاب کے مطابق کتابیں نہیں ہیں۔

اردو والوں کے ساتھ ساتھ آسنسول سب ڈویژن کے تقریباً 150 اسکولوں کے درجہ ہشتم کے طلبہ کو ابھی تک انگریزی کی کتاب بھی نہیں ملی ہے جس سے سرپرستوں میں شدید ناراضگی کا ماحول ہے۔

دوسری جانب نیل رونی ہائی اسکول کے ہیڈ ماسٹر جیو دے نے کہا کہ ہشتم اور ہفتم کے طلبہ کو تاریخ اور بنگلہ کی کتابیں بھی معقول مقدار میں نہیں ملی ہیں اور ہشتم کے طلبہ کے لیے انگریزی کی کتابیں تو ملی ہی نہیں ہیں۔ انھوں نے بتایا کہ چند طلبہ نے کولکاتا سے دوگنی قیمت ادا کر کے کتاب حاصل کی ہے، لیکن ریاستی حکومت کی جانب سے 6 ماہ گزرنے کے باوجود انگریزی کی کتاب نہ ملنے سے ناراضگی کا ماحول ہے۔ آسنسول کے تقریباً سبھی اسکولوں سے مقامی اے ڈی آئی ایف اسکولس کو یادداشت کا خط دیا جاتا ہے تو ضلع دفتر سے جواب ملتا ہے کہ حکومت کے کتابیں ارسال کرتے ہی اسکولوں کو فراہم کر دیا جائے گا۔ آسنسول سب ڈویژن کے اردو، ہندی اور بنگلہ میڈیم اسکولوں میں درجہ ہشتم میں تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ کی تعداد تقریباً دس ہزار ہے۔ آسنسول رحمانیہ ہائر سکنڈری اسکول کے صدر المدرسین شجاعت حسین نے بھی اظہار افسوس کیا ہے کہ 6 ماہ مکمل ہونے کے باوجود نصاب کی کتابیں طلبہ کے لیے دستیاب نہیں ہیں۔ انھوں نے کہا کہ اردو اکیڈمی کے ارباب حل و عقد کو بنیادی چیز تعلیم پر توجہ دینا چاہیے ورنہ جب اردو پڑھنے والے ہی نہیں رہیں گے تو اکیڈمی کا ہی وجود خطرے میں پڑ جائے گا۔ پھر کون روح ادب پڑھے گا، پھر کون اردو شاعری اور افسانے کی کتابیں لکھے گا اور پڑھے گا۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اردو کے ساتھ حکومت کا سوتیلا رویہ قابل تشویش

مظفر پور (۲۹؍جون)۔ بہار میں اردو کی صورت حال پر اپنے خیالات کا اظہار کرتے ہوئے آر جے ڈی کے ریاستی ترجمان اقبال محمد سمیع نے بتایا کہ ابھی جو 12000 اساتذہ کی تقرری ہونے والی ہے اس میں 4000 سیٹ اردو، 4000 ہندی اور 4000 انگریزی کی ہے لیکن ریاستی حکومت صرف 330 اردو اساتذہ کی تقرری کرنے کا ارادہ رکھتی ہے جو کہ اردو کے ساتھ سراسر ناانصافی ہے۔ انھوں نے کہا کہ شہر کا سب سے بڑا اسکول ضلع اسکول ہے، جس کی نواب تقی خاں نے تعمیر کرائی تھی اتنے بڑے اسکول میں اردو کا ایک بھی ٹیچر نہیں ہے جب کہ ہمیشہ اس ضلع اسکول میں اردو اور فارسی کے پانچ اساتذہ ہوا کرتے تھے، لیکن آج یہ اسکول ایک بھی اردو ٹیچر سے محروم ہے اور یہاں پڑھنے والے مسلم طلبہ اپنی مادری زبان پڑھنے سے محروم ہیں۔ انھوں نے کہا کہ بات صرف ضلع اسکول کی نہیں بلکہ پورے مظفر پور ضلع میں اردو اسکولوں کی حالت ناگفتہ بہ ہے اور بیشتر اسکولوں میں اردو اساتذہ نہیں ہیں، صرف ایک علاقے کا ہی جائزہ لیا جائے تو یہ واضح ہو جائے گا کہ حکومت اردو کے تئیں کتنا سنجیدہ ہے اور وزارت اقلیتی فلاح و بہبود کی اس پر کتنی نگاہ ہے۔ اقبال محمد سمیع نے مثال پیش کرتے ہوئے بتایا کہ کڑھنی بلاک کے کیرما گاؤں کے اردو دوستوں نے ایک اردو مڈل اسکول کو ہائی اسکول میں اپ گریڈ کرانے کے لیے زمین کی فراہمی کے علاوہ ضرورت کے مطابق عمارت بھی تعمیر کرائی تھی۔ پنچایتی ممبروں سے لے کر ایم پی تک سے سفارشات بھی کروائیں، عمارت کا ڈی ایم سے افتتاح بھی کرایا گیا اور ڈی ایم نے تین ماہ کے اندر ہائی اسکول کے اپ گریڈ ہو جانے کی یقین دہانی بھی کرائی، لیکن اب تک اس کے بعد درجنوں اسکول اپ گریڈ ہوئے لیکن اس اسکول کی طرف کسی نے نگاہ اٹھا کر نہیں دیکھا۔ اس حکومت میں ایک بھی اردو ٹرانسلیٹر کی تقرری نہیں ہوئی اور جہاں تک اسکولوں میں اردو کی کتاب کی فراہمی کا سوال ہے تو گزشتہ تین سالوں سے کسی بھی اسکول کو اردو میں کتاب فراہم نہیں کرایا گیا ہے! بچے ہندی میں کتاب پڑھنے پر مجبور ہیں جب کہ گزشتہ میں سالوں سے اردو میں کتابیں چھپتی رہی ہیں، لیکن تین سالوں سے بند ہے۔

(اردو ایکشن۔ بھوپال)

اسکول ایجوکیشن کی ویب سائٹ میں اردو نظر انداز

دوسری سرکاری زبان کا درجہ دینے کے باوجود ویب سائٹ پر اردو کی نصابی کتابیں موجود نہیں

کلکتہ (۲۵؍جون)۔ ماں ماٹی مانس کی حکومت میں مختلف شعبوں میں تبدیلی کے ساتھ کلکتہ اسکول ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ میں بھی تبدیلی لائی گئی لیکن اردو کے شعبے میں کسی طرح کی تبدیلی نظر نہیں آ رہی ہے۔

ریاستی اسکول ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی ویب سائٹ میں دوسری جماعت سے آٹھویں جماعت تک کی نصابی کتابیں اپ لوڈ کی گئی ہیں جن میں بنگلہ اور انگریزی میں ترتیب شدہ کتابیں اپ لوڈ ہیں جب کہ دیگر زبانوں کی کتابوں کو اپ لوڈ نہیں کیا گیا ہے جس سے اسکول ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کی کوتاہی صاف طور پر نظر آ رہی ہے، اس ویب سائٹ میں اردو کا کہیں ذکر نہیں ہے یہاں تک کہ ہندی اور نیپالی زبان کی کتابیں بھی شامل نہیں کی گئی ہیں، حالاں کہ نیشنل کونسل آف ایجوکیشن ریسرچ اینڈ ٹریننگ NCERT کی ویب سائٹ پر پہلی جماعت سے بارہویں جماعت کی اردو میں ترتیب شدہ کتابیں موجود ہیں مگر مغربی بنگال کی حکومت نے صرف بنگلہ اور انگریزی کو ترجیح دیا جب کہ دیگر زبانوں کو نظر انداز کیا گیا۔ دو سالہ حکومت نے اقتدار سنبھالتے ہی اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا لیکن کسی بھی سرکاری محکمے کی ویب سائٹ پر اردو کا ذکر نہیں ہے۔

اسکول ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کے تحت اکسپرٹ کمیٹی نے پچھلے سال پہلی، تیسری، پانچویں اور ساتویں جماعت کی 16 نصابی کتابیں ترتیب دی ہیں ان کتابوں کا بنگلہ سے اردو میں ترجمہ کیا گیا مگر اردو میں ترتیب شدہ کتابیں ویب سائٹ پر اپ لوڈ نہیں کی گئیں۔ غور طلب ہے کہ آئی ایس سی، آئی سی ایس ای اور سی بی ایس ای بورڈ کی کتابیں ان کے ویب سائٹ پر دستیاب ہیں جس سے انگریزی میڈیم کے بچے ویب سائٹ پر بھی مطالعہ کرتے ہیں۔ غور طلب ہے کہ وزیر اعلا کی ہدایت پر سرکاری محکموں میں رد و بدل کی گئی لیکن اسکول ایجوکیشن ڈپارٹمنٹ کے ویب سائٹ میں اردو کو شامل نہیں کیا گیا۔

(اخبار مشرق۔ کلکتہ)

وقارآباد میں اردو میڈیم جونیئر کالج کو منظوری

حیدرآباد (۲۱؍جون)۔ وقارآباد کے اردو طلبہ کے لیے تعلیم کی راہ ہموار ہوگئی ہے۔ حکومت نے وقارآباد میں اردو میڈیم جونیئر کالج کے قیام کو منظوری دے دی ہے اور اس سلسلے میں جی او 608 جاری کر دیا ہے۔ اس اطلاع کے عام ہونے کے ساتھ ہی وقارآباد کے اردو حلقوں میں مسرت کی لہر دوڑ گئی ہے۔ واضح رہے کہ اردو میڈیم جونیئر کالج کی سہولت نہ ہونے کی وجہ سے اردو طلبہ کو حیدرآباد یا دیگر دور دراز مقامات جا کر تعلیم حاصل کرنا پڑ رہا تھا۔ مشکلات کے باعث کئی طالبات تعلیم ترک کرنے پر بھی مجبور ہوگئیں۔ اس سلسلے میں مقامی قائدین اور اردو دوست اصحاب نے حکومت بالخصوص ریاستی وزیر جناب جی پرساد کمار سے مسلسل نمائندگیاں کیں، جن کی کوششیں آج ثمرآور ثابت ہوئیں۔ وقارآباد میں اردو میڈیم جونیئر کالج کی منظوری کے ساتھ ہی مقامی مسلم قائدین اور اردو دوست اصحاب نے آج ریاستی وزیر جناب جی پرساد کمار سے ملاقات کی اور کالج کی منظوری کے لیے حکومت سے کامیاب نمائندگی پر ان سے اظہار تشکر کیا۔ اس موقع پر ریاستی وزیر نے مسلم نمائندوں کو تیقن دیا کہ جاریہ سال سے ہی تعلیم کا آغاز کرواتے کے اقدام کیے جائیں گے۔ انھوں نے طلبہ پر زور دیا کہ وہ اس موقع سے بھرپور استفادہ کرتے ہوئے کالج میں داخلہ لے کر اعلا تعلیم حاصل کریں۔

(رہنمائے دکن۔ حیدرآباد)

نئی کتابیں

تبصرے کے لیے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے

نام کتاب : ٹونک میں اردو کا فروغ
مصنف : سید ساجد علی ٹونکی
ضخامت : ۱۷۲ صفحات
قیمت : ۱۴۲ روپے
ناشر : سید دانش علی، علی پبلی کیشنز، علی منزل، رحیمن، ٹونک راجستھان 304001
تبصرہ نگار : مسعود اختر خاں

آزادی سے قبل راجپوتانے میں واحد مسلم ریاست ٹونک فطری طور سے اردو زبان و ادب کے فروغ کی امین رہی۔ قدیم سے لے کر دور حال تک یہاں کا عظیم ادبی سرمایہ مصنفین کے لیے ہمیشہ توجہ اور کشش کا باعث رہا ہے، اس لیے وقتے وقتے سے یہاں کے شعرا اور ادبا پر مضامین، مقالے اور کتابیں لکھی جاتی رہی ہیں۔ سید ساجد علی کی زیر نظر کتاب 'ٹونک میں اردو کا فروغ' اسی سلسلے کی کڑی ہے۔ یہ کتاب پہلی نظر میں اس اعتبار سے منفرد اور ممتاز نظر آتی ہے کہ جہاں دیگر کتابوں میں کہیں فقط شعرا پر، کہیں نثر نگاروں پر، کہیں مخصوص عہد پر اکتفا کیا گیا مثلاً مختار شمیم صاحب کی کتاب 'ریاست ٹونک اور اردو شاعری' فقط ۱۵۸ صفحات میں پانچ سو رباعی میں زندہ شعرا اور ادبا کے کاموں سے بحث کرتی ہے وہیں سید ساجد علی نے ریاست کے قیام سے لے کر تا حال یعنی تقریباً دو سو سال میں ہوئے اردو کے فروغ کا جائزہ لیا ہے، ساتھ ہی موصوف نے ریاستی عہد کے ۱۳۱ سال میں قیام ریاست سے لے کر ساتوں نوابین ٹونک کی ذاتی، سیاسی اور انتظامی تاریخ کے بیان کے ساتھ ہر دور میں ہوئی اردو کی ترقی کا بخوبی جائزہ لیا ہے۔ نوابین ٹونک کا اردو سے شغف، شعرا اور ادبا کی قدر و منزلت، مشاعروں اور اشاعتی سرگرمیوں کی تفصیل پیش کی ہے جو بجا طور پر ٹونک کو دہلی، لکھنؤ، رامپور کی طرح ایک اہم ادبی مرکز کے ہم پلہ ٹھہراتی ہے۔ تفصیل کی حد یہ ہے کہ ریاستی عہد کے میر منشی، نائب منشی، وکیل، بخشی توشہ خانہ، کارپرداز خانہ، دفتر شاگرد پیشہ کے فرائض منصبی بھی تحریر کر دیے ہیں۔ ٹونک میں لکھے گئے اہم مخطوطات و مطبوعات کے ساتھ فرداً فرداً نثر نگاروں اور شعرا کا تعارف تو ہے ہی، یہاں کے اداروں، کتب خانوں، مدرسوں، انجمنوں، ڈراموں پر بھی مستقل ابواب قائم کر کے معلومات بہم پہنچائی گئی ہے۔ اس میں اہم مضمون گورنمنٹ کالج ٹونک کے شعبۂ اردو کی خدمات پر ہے۔ بتایا گیا ہے کہ روز اول سے ہی قائم شعبۂ اردو کے طفیل راجستھان کو ہزارہا اردو کے پرائمری، سیکنڈری اور پوسٹ گریجویٹ لیول کے اساتذہ میسر ہوئے، نیشنل اور انٹرنیشنل سیمناروں، مشاعروں اور دیگر ادبی سرگرمیوں نے اردو کے پرچم کو صوبے میں بڑی شان سے لہرایا۔ یہ تفصیل خاص دل چسپ اور پڑھنے سے تعلق رکھتی ہے۔ غالب نے کہا تھا:

ہر چند کہ ہو مشاہدۂ حق کی گفتگو
بنتی نہیں ہے بادۂ ساغر کہے بغیر

سید ساجد علی کی نثر اس شرط سے مستثنیٰ ہے۔ وہ لفاظی، نثری تکلفات اور معنوی حسن آرائی سے گریز کرتے ہوئے سیدھے سیدھے قاری کو معلومات بہم پہنچانے میں یقین رکھتے ہیں اسی لیے یہ کتاب بے پناہ اطلاعاتی (Informative) اور اطلاعاتی ہونے کی بنا پر آنے والے کسی بھی دور میں ٹونک کی ادبی خدمات پر ایم فل، پی ایچ ڈی یا دیگر تحقیق کے موقعے پر، ممکن نہیں ہوگا کہ اس کتاب سے صرف نظر کیا جائے۔

اس کتاب کا سب سے بیش قیمتی اور ہائی لائٹ حصہ ٹونک میں 'اردو کے فروغ میں حائل مشکلات' کے عنوان سے ہے۔ فیض نے کہا تھا:

خون دل میں ڈبو لی ہیں انگلیاں میں نے
یا
چونکہ مقتل نگاری ہے خون دل کی کشید

کچھ یہی منظر یہاں ہے۔ عنوان ٹونک کے نام سے ہے لیکن باقی سارے ہندستان میں اردو کی یہی تصویر ہے جو سیدھے اور سچے الفاظ میں مصنف نے کھینچی ہے۔ بڑے درد سے کچھ سوال اٹھائے ہیں جن کا جواب آج تک جمہوری سرکار میں رہنما نہیں دے پائے اور شاید کبھی نہ دے سکیں، مثلاً جن صوبوں میں اردو کو دوسری سرکاری زبان قرار دیا گیا ہے وہاں اردو میں کیا کام کیے جا رہے ہیں؟ پرائمری سطح کے درجات کے بعد اردو بحیثیت میڈیم زبان کہاں غائب ہو جاتی ہے؟ اردو کا وسیاں ہیں تو فنڈ اور عملے کہاں چلے جاتے ہیں؟ اردو اخبارات ہیں تو سرکاری اشتہارات انھیں کیوں میسر نہیں؟ فلموں کی زبان تو اردو ہے لیکن 'مغل اعظم' اور 'پاکیزہ' جیسی فلموں کو بھی ہندی فلموں میں شمار کیا جاتا ہے؟ سرکار کی دو رخی پالیسی سے کہاں اردو زبان کو پھر موت کی نیند سلانے کا کام اردو والے ہی کر رہے ہیں، جو اپنے شعبے میں منفی سیاست اور بدعنوانی کی ہوا گرم رکھتے ہیں اور اپنے بچوں کے لیے کیریئر کے انتخاب میں اردو سے پرہیز کرتے ہیں بلکہ اپنے بچوں کو اردو سکھانے میں شرم محسوس کرتے ہیں۔

کتاب کی کمپوزنگ کے بعد بہ نظر ثانی املا کی اغلاط کو درست نہیں کیا جا سکا جو تقریباً ہر صفحے پر پھیلی ہوئی ہیں۔ یہ ایک پہلو ضرور تشنہ نظر آتا ہے۔ امید ہے کہ اگلے اڈیشن میں مصنف اس قسم کی تمام اغلاط سے کتاب کو پاک اور بری کر دیں گے۔

●●●

نام کتاب : پھر بھی (شعری مجموعہ)
مصنف : عشرت جالندھری
ضخامت : ۱۷۶ صفحات
قیمت : ۱۰۰ روپے
ناشر : تعزٰ ٹاؤن پبلشرز، ۱۷/۱۱ اے، عائشہ منزل، پائپ روڈ، کرلا، ممبئی -۷۰
تبصرہ نگار : دیپک بدکی

عشرت جالندھری کا تازہ شعری مجموعہ 'پھر بھی' حال ہی میں منظر عام پر آیا ہے۔ ان کا پہلا مجموعہ 'آب و تاب' ۱۹۶۶ میں شائع ہوا تھا۔ ۱۹۳۰ء میں ممبئی میں پیدا ہوئے غلام محمد گوہر نے مڈل تک تعلیم پائی اور بہ قول ان کے بھنڈی بازار ممبئی کے وزیر ہوٹل میں جن اساتذہ کرام کی مجلسیں ہوا کرتی تھیں، ان سے ہی شاعری سیکھ لی۔ شاعری کا آغاز ۱۹۵۳ میں کیا اور اپنا قلمی نام عشرت جالندھری رکھا کیوں کہ جالندھر ان کا آبائی وطن ہے۔ عشرت کی شاعری نہ صرف مشاعروں میں پسند ہونے لگی بلکہ رسائل میں بھی خوب چھپنے لگی۔ ان کے پہلے شعری مجموعے پر تاثرات قلم بند کرتے ہوئے مشہور شاعر فراق گورکھپوری فرماتے ہیں کہ 'عشرت جالندھری کی نظموں اور غزلوں میں اگرچہ فکر کے تجربے اور ان کی رنگا رنگی نہیں ملتی، تاہم ان میں ایک بہت ہی معصوم سی رومانی کیفیت ہمیں ضرور محسوس ہوتی ہے اور مجھے امید ہے کہ یہی جذبہ انھیں فکر اور شعور کی منزل تک بھی لے جائے گا جہاں ان کے لیے ہر طرف روشنی ہی روشنی ہے'۔

عشرت جالندھری کی شاعری میں جدیدیت کا رنگ صاف طور پر جھلکتا ہے اور اسی اثر کی وجہ سے، بہ قول اشتیاق سعید انھوں نے ایک پورے دہے کے کلام کو رد کر دیا جب کہ اس کے بعد ۱۹۷۵ سے ۲۰۰۰ تک ذہنی انتشار کے سبب بہت ہی کم غزلیں کہیں۔ اس حوالے سے ایک شعر:

شاعر تو ہوں قدیم مگر سوچ ہے نئی
رکھتا ہوں تازہ مال پرانی دکان پر

عشرت کی شاعری میں ایک جانب رقص جام، معشوق کی بے رخی اور پازیب کی جھنکار ملتی ہے تو دوسری جانب اپنی مفلسی، غربت اور بدنصیبی کا بیان بھی ملتا ہے۔ البتہ ان کا اجتماعی شعور ان کی شاعری پر غالب نظر آتا ہے۔ وہ کہیں سماج کے انتشار کی باتیں کرتے ہیں اور کہیں پر ان مناہجات پر سوال اٹھاتے ہیں جو ماضی میں انسانی کارستانی کے باعث اس دھرتی پر رونما ہوئے۔ پیش ہے نمونۂ کلام:

عشق الٰہی:

کوئی نادیدہ پُر اسرار سی ہستی عشرت
آخر شب مرے ہاتھوں میں غزل رکھتی ہے

تو مسیحا ہے، تجھے تو عمل کرنا ہے
مار سکتا نہیں مجھ کو تو پھر اچھا کر دے

یا کھول مجھ پہ گنج سلیماں کا راستہ
یا یہ مزاج حاتم طائی نہ دے مجھے

تلاش باطن:

وہ ابتدا تھی مجھے جب تلاش تھی ان کی
یہ انتہا ہے کہ اب خود کو ڈھونڈتا ہوں میں

اپنی خودداری کا جو وقت گزری بھول گیا
سوچ رہا ہوں میں نے اپنی لاش کہاں رکھی تھی

عشرت بکھریوں کا تجسس بجا مگر
دستار گر پڑے گی سر اونچا نہ کیجے

انتظار:

شب گزیدہ کوئی جانے کب ادھر آ نکلے
اپنی دہلیز پہ اک شمع جلائے رکھنا

اسے یقین بھی نہیں میری واپسی کا مگر
چراغ رکھ کے دریچے سے جھانکتا بھی وہ

ہجر:

وہ مجھ کو چھوڑ گئے تھے جہاں کبھی تھے ہم
زمانہ بیت گیا ہے وہیں کھڑا ہوں میں

دل ہی تھا ایک گنہگار سو خاموش ہوا
اب کہیں درد اٹھے گا نہ ہی درماں ہوگا

شہری زندگی:

میں نے کہا تھا کہ یہ شہر کی دھوپ ہے
تو بچ گیا مگر ترا سایہ تو جل گیا

جاں دینا بہت آساں ہے، رہنا مشکل
خون سستا ہے ترے شہر میں مہنگا پانی

نظام تعلیم:

استاد کا ڈر نہیں کا غم رہا ہے، ماں کا تصور
اسکول سے خالی کوئی بچہ نہیں آتا

گنگا جمنی تہذیب:

جو ہو سکے تو سجا لو مجھے بھی کمرے میں
تمہاری عظمت رفتہ کا آئینہ ہوں میں

فرقہ وارانہ فسادات:

اب تک اس گاؤں میں رہتے تھے سبھی مل جل کے
کیوں مرے گاؤں میں شیخ اور برہمن آئے

اس شہر کو تو جیسے اماوس نگل گئی
اب آدمی چراغ جلائے کہاں کہاں

مٹی میں اس قدر نرمی کہاں تھی
مجھے کچھ گاؤں جلتے لگ رہے ہیں

کسی قسیم نے بارود بو دیا شاید!
اب اپنے کھیت خزانے اگل نہیں سکتے

سانحہ بابری مسجد:

پوچھنا تاریخ دانوں سے کبھی
کس عقیدت سے مجھے ڈھایا گیا

کون پوچھے گا فقیہ شہر سے
آ گیا سیلاب یا لایا گیا

لال فیتہ شاہی:

وہ آرہے ہیں لو انصاف مانگنے والے
انھیں بھی ڈال دو خانوں میں فائلوں کی طرح

حُبُّ الوطنی:

سرکاری کھڑکی دروازے لوہا پتھر سب بیچ
یہ دھرتی تو اپنی ماں ہے اس کا سودا مت کر

'آب و تاب' سے لے کر 'پھر بھی' تک عشرت جالندھری کی شاعری میں فکر و خیال کا نمایاں ارتقا نظر آتا ہے۔ ان کے سماجی اور سیاسی شعور میں پختگی ہے اور احساسات میں اجتماعی دردمندی دکھائی دیتی ہے۔ کتاب میں چند نظمیں جیسے بھوپال کا عدالتی سانحہ، ہولی، لوکل، غریبی اور آب و تاب سے منتخب کلام بھی شامل کیا گیا ہے۔ زبان عام فہم اور رواں ہے۔ کہیں کہیں ہندی کے الفاظ کا بھی استعمال کیا گیا ہے۔ جیسے راج دھرم، دھرم راج، سیوک، نیلا، پالن ہار وغیرہ۔ نئی اور نادر ترکیبیں جیسے مرے قد کو مرے سائے سے اونچا کر دے، شہر کی دھوپ وغیرہ بھی دیکھنے کو ملتی ہیں۔ مجموعی طور پر یہ کہنے میں مجھے کوئی تامل نہیں کہ زیر نظر مجموعہ عشرت جالندھری کا حاصل حیات ہے۔

●●●

نام کتاب : انداز بیاں اپنا
(تجزیہ و تنقید)
مصنف : سید شکیل دسنوی
ضخامت : ۱۳۵ صفحات
قیمت : ۱۰۰ روپے
ملنے کا پتہ : اخبار اڑیسہ پبلی کیشنز
دیوان بازار، کٹک
اڑیسہ - 753001
تبصرہ نگار : ڈاکٹر سید معصوم رضا عشروی
razakidak@gmail.com

'انداز بیاں اپنا' مشہور و معروف شاعر سید شکیل دسنوی کی تنقیدی نظر اور ادبی مشاہدات و تجزیاتی مطالعے کا نثری ترجمان ہے۔ منظوم ادب میں چار شعری مجموعوں کے خالق نے نہ صرف اپنے اشعار کو قاری کے حوالے کیا بلکہ انھوں نے دوسرے شعرا و ادبا کی تخلیقات کا بھی مطالعہ کیا۔ دوران مطالعہ انھوں نے اپنے ذاتی تاثرات کو مضمون کی شکل میں قلم بند کیا اور یہی مضامین آج کتابی شکل میں 'انداز بیاں اپنا' کے نام سے منظر عام پر آکر سید شکیل دسنوی کی نثری ترجمانی کررہے ہیں۔ 'حرفے چند' کے عنوان سے سعید رحمانی نے تعارفی مضمون قلم بند کیا ہے، اس کے علاوہ 19 مضامین اور ایک انٹرویو اس میں شامل ہیں۔

زیر تبصرہ کتاب میں شامل مضامین کو تین ذیلی حصوں میں تقسیم کیا جاسکتا ہے۔ کتاب میں شامل چھ مضامین اردو ادب کی مختلف اصناف سے متعلق ہیں، مثلاً اردو لوک گیتوں کی روایت، داستان کہتے کہتے، ادب اطفال اور بنیادی مسائل، دوہا اور غزل۔ حبیب و رقیب، حمد و مناجات کی الہامی رہگزر اور اردو فن شاعری عالمی ادب کے تناظر میں؛ یہ تمام مضامین بظاہر تو اردو ادب کی کسی نہ کسی صنف کے تعلق سے قلم بند کیے گئے ہیں لیکن بلاشبہ اس کی فکری بالیدگی اور انداز بیان میں تازہ کاری ہے جسے قاری بہ خوبی محسوس کرسکتا ہے۔ اس کے علاوہ شعرا سے متعلق بھی چھ تاثراتی و تعارفی مضامین شامل ہیں جس میں اصغر حسن کچھی، خلیل تنویر، معصوم شرقی، نصر اللہ نصر، التفات امجدی اور شاہین سہسرامی کی شاعری کے حوالے سے ان کی فنکارانہ صلاحیت پر تنقیدی و تجزیاتی نظر ڈالی گئی ہے۔ اس کے علاوہ چند مضامین ایسے بھی ہیں جو سید شکیل دسنوی کی ذہنی اختراع ہیں جنھیں ہم ان کی تخلیقی ردعمل کا ترجمان کہہ سکتے ہیں، مثلاً 'تحریکیت تقلیدی تنقید، ایجاد بندہ اور ادبی دہشت گردی وغیرہ'۔ یہ تمام مضامین سید شکیل دسنوی کی فنکارانہ صلاحیت اور شعور و بصیرت اور ادبی بیداری سے ان کی ذاتی وابستگی کا احساس دلاتے ہیں ورنہ آج کے شعرا کسی نئی راہ کو اختیار نہیں کرتے اور نہ ہی افکار و ادراک کے نئے دریچے کھولتے ہیں، ایسی صورت میں بلاشبہ سید شکیل دسنوی کی تحریر اور ان کے مضامین لائق ستائش ہیں جنھوں نے اپنی ذاتی کوشش سے ایک نیا چراغ بھی جلایا اور نئی راہ پر چلنے کی کوشش بھی کی ہے۔ آخر میں ایک طویل انٹرویو بھی شامل ہے جو ماہنامہ 'شاعر' کے مدیر افتخار امام صدیقی نے لیا تھا۔ اس مکالمے میں سوال و جواب بھی کافی دل چسپ اور معلوماتی ہیں۔ مختصراً یہی کہا جاسکتا ہے کہ انجینئرنگ کے پیشے سے وابستگی کے باوجود اردو ادب میں نثری اور منظوم اصناف کا جنون انھیں دیگر شعرا سے منفرد کرتا ہے۔ شعری دسترس میں ان کا کینوس بڑا وسیع ہے، ساتھ ہی ساتھ نثری مضامین میں بھی ان کی فکری بلند پروازی اور مشاہدات و تجربات کی جھلک جابجا دکھائی دیتی ہے۔ امید کہ اس کتاب کو ادبی حلقوں میں پسند کیا جائے گا۔

⊛⊛⊛

بقیہ صفحہ ۴ سے آگے

تعلیمی ادارے میں اردو کی اعلا تعلیم کا نظم و نسق نہیں ہے۔ یہی سبب ہے کہ انٹر درجات میں اردو کی تعلیم حاصل کرنے والے طلبہ و طالبات کو اعلا درجات میں اردو کی تعلیم حاصل کرنے کے لیے بریلی یا شاہجہاں پور واقع تعلیمی اداروں میں داخلہ لینے کے لیے مجبور ہونا پڑتا ہے جس سے ان کے وقت اور رقم دونوں کی ہی بربادی ہوتی ہے، حالاں کہ پورنپور علاقے کے طلبہ و طالبات کو ذرا آسانی ہو جاتی تھی کیوں کہ کسان ڈگری کالج میں ذاتی اخراجات پر اردو کی اعلا تعلیم کا نظم ہو جاتا تھا مگر رواں تعلیمی سال میں پورنپور ڈگری کالج کی صورت حال بھی اردو کے طلبہ و طالبات کے لیے غیر مفید ثابت ہونے کا خدشہ ہے۔ مذکورہ ڈگری کالج میں گزشتہ 16 سالوں سے بحیثیت اردو استاد تعینات ڈاکٹر ثوبان سعید کا تقرر لکھنؤ واقع حضرت خواجہ معین الدین چشتی یونیورسٹی میں ہو گیا، جس کی وجہ سے وہ کسان ڈگری کالج سے سبکدوش ہو گئے ہیں۔ اس کے باوجود محکمۂ اعلا تعلیم کے ذریعے کسان ڈگری کالج کے شعبۂ اردو میں ابھی تک کسی دوسرے استاد کی تعیناتی نہیں ہوئی ہے۔ ایسے حالات میں رواں تعلیمی سال میں مقامی طلبہ و طالبات اردو کی تعلیم حاصل بھی کر سکیں گے یا نہیں کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ محلہ کریم گنج میں رہنے والے مولانا ناظم مصباحی نے بتایا کہ ضلع میں مسلم تعلیم کی 90 فیصد حصہ داری مدارس اسلامیہ پر منحصر ہے اور مدارس میں زیر تعلیم طلبہ و طالبات کی مادری زبان اردو ہوتی ہے۔ اس کے باوجود حکومتوں کے ذریعے اعلا تعلیمی درجات میں اردو کی درس و تدریس کا نظم و نسق نہ کیا جانا صرف عدم توجہی یا غیر ذمہ دارانہ کارکردگی کے زمرے میں ہی نہیں آتا بلکہ اردو مخالف طریقۂ کار کی واضح علامت ہے۔ انھوں نے کہا کہ آخر کیا وجوہ ہیں کہ مقامی ڈگری کالج میں اردو استاد کا عہدہ اپریل سے خالی ہے اور ابھی تک اس پر کسی دوسرے شخص کی تقرری نہیں ہو سکی ہے جب کہ جولائی سے نئے تعلیمی سال کا آغاز ہو جاتا ہے۔ سنی علما کونسل کے قومی جنرل سکریٹری نو احمد رضا ازہری نے کہا کہ مقامی ڈگری کالج میں سیلف فائنس کورس سے اردو کی درس و تدریس کا نظم ہے جو کسی حد تک مقامی طلبہ کے لیے مفید ثابت ہو رہا تھا مگر اب اردو استاد کی عدم تعیناتی کے سبب اردو پڑھنے والے طلبہ و طالبات اس سے بھی محروم ہو رہے ہیں جو انتہائی افسوسناک ہے۔ واضح رہے کہ کسان ڈگری کالج میں جو منتظمہ کمیٹی ہے اس کا صدر گنا کوآپریٹو ادارہ کا صدر ہوتا ہے جب کہ ڈی سی او، ایم ایل اے اور ایم پی سمیت درجن بھر سے زائد اراکین پر مشتمل منتظمہ کمیٹی میں ضلع انتظامیہ کے اعلا حکام بھی شامل ہیں۔ منتظمہ کمیٹی اگر چاہے تو فوری بندوبست کے طور پر کسی ایسے شخص کو تعینات کر سکتی ہے جو یو جی سی نیٹ کوالیفائڈ ہونے کے ساتھ ساتھ یو جی سی کی وضع کردہ اہلیت رکھتا ہو مگر ماہ جولائی شروع ہونے کے بعد بھی شعبۂ اردو میں کسی استاد کی تعیناتی نہ ہونا ایک ایسا سوال ہے جو اردو کے خلاف ایک منظم سازش کی طرف اشارہ کرتا ہے۔

(انقلاب۔ دہلی)

❖❖❖

دوسری اور آخری قسط

ہندستان کے آئین میں اردو کی حیثیت

پروفیسر انوار الیقین (B-304، اسٹیلر کنکس کورٹ، F-32، سیکٹر 50، نوئیڈا، یوپی)

ریاستی سطح پر ہندی بہار، جھارکھنڈ، اترا کھنڈ، مدھیہ پردیش، راجستھان، اترپردیش، چھتیس گڑھ، ہماچل پردیش، ہریانہ اور دہلی کی سرکاری زبان ہے لیکن ان ریاستوں کو اختیار ہے کہ وہ ہندی کے ساتھ کسی دوسری زبان کو بھی سرکاری زبان کا درجہ دے سکتی ہیں۔ مشرقی اور مغربی ہند میں ہر ریاست میں بولی جانے والی زبان وہاں کی سرکاری زبان ہے۔ آئین کے آٹھویں شیڈول میں درج ہے کہ اردو جموں و کشمیر، آندھرا، دہلی، بہار، اترپردیش اور اترا کھنڈ میں بولی جاتی ہے۔ زبان کے معاملے میں پارلیمنٹ اور ریاستی مجالس قانون ساز دونوں کو قانون بنانے کا اختیار ہے۔ ریاستوں میں اردو کی پوزیشن کچھ اس طرح ہے:

۱- آندھرا میں سرکاری زبان تیلگو ہے ساتھ ہی اردو کو بھی سرکاری زبان کا درجہ حاصل ہے۔ اردو کچھ اضلاع میں مخصوص مقاصد کے لیے استعمال ہو سکتی ہے۔

۲- اترا کھنڈ میں ہندی سرکاری زبان ہے ساتھ ہی اردو اور انگریزی کو بھی سرکاری درجہ حاصل ہے لیکن اردو کا استعمال کن مقاصد کے لیے ہوگا اس کی کوئی وضاحت نہیں کی گئی ہے۔

۳- بہار میں اردو کو ایک ایڈیشنل سرکاری زبان کی حیثیت مخصوص مقاصد کے لیے حاصل ہے، یعنی عام شکایات (Representation) داخل کرنے کے لیے، سرکار کے پاس دستاویزات داخل کرنے کے لیے، رولس ریگولیشنز اور نوٹس وغیرہ جاری کرنے کے لیے، اہم اعلانیے اور حکم نامے جاری کرنے کے لیے گورنمنٹ گزٹ شائع کرنے اور سرکاری دفاتر اور اہم مقامات پر سائن بورڈ لگوانے کے لیے۔ (بہار کے بارے میں متذکرہ معلومات کمشنر برائے لسانی اقلیات کی 43ویں رپورٹ مجریہ سنہ 2004 پر مشتمل ہیں)

عمر خالدی نے اپنی ایک رپورٹ میں لکھا ہے کہ بہار میں یوپی کے مقابلے میں اردو کی پوزیشن بہتر ہے۔ اس کا سبب یہ ہے کہ بہار میں نسبتاً اردو کی مخالفت سرکاری حلقوں میں کم ہے۔ متذکرہ کمشنر کی رپورٹ کے مطابق اردو پرائمری اور سکنڈری اسکولوں میں بعض جگہوں پر پڑھائی جاتی ہے۔ اس کے علاوہ ۱۹۸۰ کے ایک قانون کے ذریعے جگن ناتھ مشرا نے جب وہ چیف منسٹر تھے اور میتھلی زبان بولتے تھے اردو کو دوسری سرکاری زبان کا درجہ دیا تھا۔

۴- مغربی بنگال میں ۳ر فروری ۲۰۱۲ کو حکومت نے اردو کو دوسری زبان کا درجہ دیا ہے۔ اس کا اطلاق ان علاقوں میں ہوگا جہاں آبادی کے دس فیصدی لوگ اردو بولتے ہیں۔ ابتدائی طور پر ایسے دس علاقوں کی نشان دہی کی گئی۔

۵- یوپی میں سرکاری زبان ہندی ہے اور ساتھ میں اردو کو بھی یہ درجہ دیا گیا ہے۔ اردو کی سب سے خراب حیثیت اسی ریاست میں ہے۔

آزادی کے فوراً بعد بھی بڑی زبانوں کو ان کا صحیح مقام مل گیا لیکن اردو کو جس کے بولنے، لکھنے اور سمجھنے والوں کی ایک کثیر تعداد ہندستان کے مختلف حصوں میں پھیلی ہوئی ہے اپنا کوئی ایسا مقام حاصل نہ کر سکی جس میں اس کی ترویج و ترقی کی راہیں نکل سکتیں۔ اس کا بڑا سبب یہ تھا کہ ہندستان میں ایسا کوئی جغرافیائی علاقہ نہیں ہے (جیسے تامل ناڈو میں تامل کا) جس میں اردو والوں کی اکثریت ہو۔ اس کے بولنے والے ہر علاقے میں اقلیت میں ہیں۔

اس زمانے میں سیکولرزم کو ذہنی طور پر قبول نہ کرنے والے بعض رجعت پسند حلقے یہ کہتے رہے کہ اردو بولنے والوں نے ملک کی تقسیم کروائی ہے اور اردو کی مانگ علاحدگی پسندی کی نشانی ہے۔ اردو ترکوں اور منگولوں کی زبان ہے۔ اردو کوئی الگ زبان نہیں ہے بلکہ وہ تو ہندی کا ہی ایک روپ ہے۔ اردو والوں کو اپنا رسم الخط بدل لینا چاہیے اور اسی طرح لکھنا چاہیے جیسے ہندی لکھی جاتی ہے وغیرہ وغیرہ۔ یہی غلطی لکھنؤ یونیورسٹی میں ہمارے اردو کے محبوب استاد اور ملک کے معروف اردو نقاد سید احتشام حسین سے ہو گئی تھی لیکن بعد میں ایک مضمون لکھ کر انھوں نے اپنی غلطی کا اعتراف کیا۔

پنڈت جواہر لعل نہرو اردو بولتے تھے، اسے برملا اپنی مادری زبان کہتے تھے اور چاہتے تھے کہ اردو کی بقا کے لیے کچھ اقدام کیے جائیں۔ وہ یوپی میں اردو کی حالت سے مطمئن نہیں تھے، لیکن مشکل یہ تھی کہ وفاقی حد بندیوں کے تحت مرکزی حکومت یوپی کو کوئی ہدایت نہیں دے سکتی تھی اور جو کر سکتی تھی وہ یہ کہ اردو کی بقا و ترقی کے لیے جو رقم ہو سکے مہیا کرائی جائے۔ مسز اندرا گاندھی اردو کی ترقی کے لیے یا اسے تنزلی سے بچانے کے لیے کچھ کرنا چاہتی تھیں۔ اندرا گاندھی نے گجرال کمیٹی کی تشکیل ۱۹۷۲ میں کروائی، جس نے اپنی رپورٹ ۱۹۷۵ میں دی۔ اس میں اردو کی ترقی کے لیے تفصیلی سفارشات تھیں۔ ایک ذیلی کمیٹی آل احمد سرور کی سربراہی میں قائم ہوئی جس نے اپنی رپورٹ ۱۹۸۳ میں پیش کی۔ پھر علی سردار جعفری کی سربراہی میں ایک اور کمیٹی بنی جس نے ۱۹۹۰ میں اپنی رپورٹ پیش کی۔

آج کی صورت حال یہ ہے کہ اگرچہ ہندستان میں اردو اتنی ترقی نہ پا سکی جتنی ترقی کی وہ مستحق تھی، لیکن ملک کی اکثریت کے دلوں میں اس نے خاص جگہ حاصل کر لی ہے اور اب اردو کے خلاف ایسی کوئی آواز نہیں اٹھتی جیسی تقسیم وطن کے فوراً بعد سنائی دیا کرتی تھی۔ عالمی سطح پر بھی اس نے اپنا مقام بنایا ہے۔ پاکستان میں وہ ایک سرکاری زبان ہے ہی۔ اس نے انگلستان، امریکہ، کناڈا، آسٹریلیا اور وسط ایشیا میں ایک معروف زبان کی پہچان بنائی ہے، اس لیے کہ ان جگہوں پر ہندستان اور پاکستان کے لوگوں کی خاصی تعداد ہے جو اردو استعمال کرتی ہے۔ روزنامہ 'راشٹریہ سہارا' کے ۲ر فروری ۲۰۱۳ کے اڈیٹوریل میں لکھا ہے کہ ایک سروے کے مطابق برطانیہ میں انگریزی کے علاوہ جو زبانیں استعمال ہوتی ہیں ان میں پولینڈ کی زبان پوزیشن نمبر ایک پر ہے۔ دوسرے پر پنجابی اور تیسرے نمبر پر اردو ہے۔ لیکن ساتھ میں اڈیٹوریل میں یہ بھی لکھا ہے کہ اگرچہ پنجابی دوسرے نمبر پر ہے لیکن عملاً اردو پولش زبان کے بعد سب سے زیادہ بولنے، لکھنے اور پڑھنے والی زبان ہے۔ مزید یہ کہ انگریزی کے بعد سب سے زیادہ اخبارات و رسائل اردو زبان میں ہی نکلتے ہیں۔

یہ سب اچھی خبریں ہیں اور حضرت داغ کا شعر کہ:

سارے جہاں میں دھوم ہماری زباں کی ہے
آج بھی صادق آتا ہے۔

(مضمون نگار علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کی قانون کی فیکلٹی میں پروفیسر رہ چکے ہیں۔ ۱۹۹۲ میں انٹرنیشنل اسلامک یونیورسٹی کوالالمپور کی قانون کی فیکلٹی میں Professor of Public Law and Jurisprudence کی حیثیت سے جوائن کیا۔ ۲۰۰۸ میں مستقلاً ہندستان واپس آ گئے)

(بہ شکریہ اردو دنیا دہلی، مارچ ۲۰۱۳)

• • •

مدیر: اطہر فاروقی
شریک مدیر: محمد عارف خاں
پرنٹر پبلشر: شاہد خاں   مطبوعہ: ثمر آفسٹ پرنٹنگ پریس، دہلی
مالک: انجمن ترقی اردو (ہند)، اردو گھر، ۲۱۲- راؤز ایونیو، نئی دہلی- ۱۱۰۰۰۲
قیمت (فی شمارہ): دو روپے، سالانہ: ۸۵ روپے (بیرونی ممالک: آٹھ امریکن ڈالر)
Phones: 23237210, 23236299, Fax: 011-23236299
E-mail: hamarizaban@atuh.org
http://www.atuh.org